UNIVERSAL LIBRARY
OU_226560
UNIVERSAL LIBRARY

قرآن کا فلسفۂ مذہب

(توسیعی لکچر جامعہ عثمانیہ ۱۹۴۰ء)

از

ڈاکٹر میر ولی الدین

استاد فلسفہ

جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن

مطبوعۂ معارف پریس اعظم گڈہ

سنہ ۱۹۴۱ء

۲۹
ق

۱۵۷۳۶

مقالات

قرآن کا فلسفۂ مذہب

از

جناب میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

"اس مضمون مین جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، وہ مذہب یا دین کا فلسفہ ہے جو ہمین قرآن مین تفصیلاً ملتا ہے جسکی مزید تصریح و تفسیر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و عمل سے ہوتی ہی، فلسفہ کے لفظ سے آپ کو یہ گمان نہ ہونا چاہیے، کہ مذہب پر ایک سرد مہر نقاد کی نگاہ سے روشنی ڈالی جا رہی ہے، اور تنقید اور عیب بینی اس تحریر کا محرک ہے، ایسا نہین! مذہب کی تعریف کیا ہو سکتی ہے، ؟! اسکی ماہیت کا تعین کس طرح کیا جا سکتا ہے، ؟ مذہب کے اعمال عبادت و استعانت کس حکمت پر مبنی ہین، ؟ ان کی کیا مصلحتین ہین ؟ ان کی نفسیات کو کس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہی، اور ان کو زمانہ جدید کے ذہنون کے کس طرح قابل قبول بنایا جا سکتا ہی: یہ ہین محرکات میرے اس مختصر مقالہ کے،

مجھے امید ہی کہ اس کے سن لینے اور سمجھ جانے کے بعد آپ مجھ سے اتفاق کرین گے، کہ مذہب کے معروض یعنی حق تعالیٰ سے ہمارا سابقہ بعد موت ہی نہین، بلکہ اس دنیوی زندگی مین ہر لحظہ پڑتا ہی، اور ہر دم ہمین اسکی احتیاج ہوتی ہے، ! معیت حق کے احساس کو بیدار کرنا دنیوی

و دینی امور مین اسکی نصرت و ولایت کا یقین پیدا کرنا، اور اس طرح حقیقی معنی مین ہمین مرد مجاہد بنانا، بے خوف و بے جگر مجاہد جسکی امید و بیم کا مرکز صرف اللہ ہی کی ذات ہو جو سارے عالم کا مالک اور حاکم ہے،........ یہ ہین غایات میرے اس مقالہ کے، مَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللہ

اے در دلِ من اصلِ تمنا ہمہ تو | وے در سرِ من مایۂ سودا ہمہ تو،
ہر چند بہ روزگار در می نگرم | امروز ہمہ توی و فردا ہمہ تو،

(ابو سعید مہنہ)

انسان بلکہ تمام حیوانات کی زندگی کا پہلا قانون جلبِ منفعت و دفعِ مضرت ہے تحفظِ ذات اور تولیدِ نسل دونون کے لئے ضروری ہے کہ یہ ان چیزون کی طلب کرے جو اسکی زندگی کے حفظ و بقا مین ممد و معاون ہین، اور ان چیزون سے گریز کرے جو اس کو عدم کی طرف لیجاتی ہین، یا قوتِ حیات کی تحدید کا باعث ہوتی ہین، اشیاء کی ابتدائی تقسیم اسی نقطۂ نظر سے کیجاتی ہے، اشیاء یا تو نافع ہین یا ضار، مفید ہین یا نقصان رسان، اچھی ہین یا بری! عضویت پر جب ان کے اثرات کا ترتب ہوتا ہے، تو لذت، محبت، فریفتگی یا اطاعت پیدا ہوتی ہے، یا الم، نفرت، خوف اور توحش، ان مین سے ایک بالطبع محبوب ہین، مرغوب ہین، تو دوسری فطرۃً غیر محبوب و نامرغوب، ایک کے حصول کا وہ کوشان ہوتا ہے، تو دوسرے سے گریزان، کوشان ہو کہ گریزان انسان کی زندگی کا تار و پود یہی جذبات ہین، ان کا زور مرد افگن ہوتا ہے، ان کے شر و شور سے اسکو فرصت ملتی ہے اور نہ نجات، یہانتک کہ زندگی کے مقررہ دن ختم ہو جاتے ہین اور وہ یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے:

من باغِ جہان را قفسے دیدم و بس | مرغش ز ہوا و ہوسے دیدم و بس
از صبحِ وجود تا شبانگاہِ عدم | چون چشم کشودم نفسے دیدم و بس

(سحابی استرآبادی)

اپنی زندگی کے مختصر قیام مین ہر شخص اشیا کے تغیر وحدوث کا اچھا مشاہدہ کرتا ہے، کائنات مین ایک دائمی تغیر جاری ہے، کوئی شے ساکن نظر نہین آتی، سکون وثبات فریب نظر معلوم ہوتے ہین، ہر ذرۂ کائنات مین ایک تڑپ سی نظر آتی ہے، کاروان وجود کو کہیں قیام نہین، شان وجود ہر لحظہ تازہ ہوتی ہے، قہری تجلی ہر شے کو ہر لحظہ فنا کر رہی ہے، اور جمالی تجلی ہر لحظہ وجود بخش رہی ہے،

ہستی کہ عیان نیست دوان در شانے ‏ ‏ ‏ در شان دگر جلوہ کند بر آنے

این نکتہ بجو ز کل یوم ھو فی شان ‏ ‏ ‏ گر بایدت از کلام حق برہانے ‏ ‏ (جامی)

اشیاء کے اس تغیر وتبدل تکون وحدوث، فنا پذیری وزوال کی جہت جب چشم بصیرت رکھنے والے انسان پر نمایاں ہو جاتی ہے تو اپنے اپنے فقر واحتیاج کی وجہ سے ذل وافتقار یا بندگی کی نسبت جو ان سے قائم کر رکھی تھی، وہ یکدم کٹ جاتی ہے، اور ذات خلق کا فقر اسکی نظرون مین واضح ہو جاتا ہے اور اوسکو اس ذات کی تلاش ہوتی ہے، جو حدوث وتغیر سے منزہ ہے، جو قائم بالذات وموجود بالذات ہے، جو واجب وقدیم ہے، صفات کمالیہ سے موصوف ہے، فعال ہے، سارے جہان کی مالک وحاکم ومولیٰ ورب ہے،!

اب مذہب یا دین کا ماحصل بھی اتنا ہی ہے، کہ ذل وافتقار کی نسبت (جس کو دین کی زبان مین عبادت واستعانت سے تعبیر کیا جاتا ہے) ذوات خلق سے قائم نہ کیجائے، اور احتیاجات اور مرادات مین استعانت ذوات خلق سے نہ کی جائے، بلکہ عبادت واستعانت کا مرکز ذات اللہ رہے، یہی مفہوم ہے اس دعوت کلمہ طیبہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا کہ اللہ کے سوا کوئی ذات قابل عبادت ومستحق استعانت (الہ) نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ

لہ معارف: یعنی مخلوقات،

کے رسول ہین، اس پیام کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے ہین،

فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسی فقر یا احتیاج کو رفع کرنے کے لئے وہ ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز کو اپنا الٰہ قرار دیتا ہے، خواہ یہ چیز عناصر سے ہو یا جمادات سے، نباتات سے ہو یا حیوانات سے، فوق الفطرت ہو یا فوق البشر، ان سے رفعِ احتیاج کے لئے اعانت طلب کرتا ہے، اور استعانت کے لئے ان سے ذل و افتقار کی نسبت قائم کرتا ہے، اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع اور ضار خیال کرتا ہے، اور یہی خیال اس کو اپنے سے کم تر مخلوق کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتا ہے!

حواس کے اس التباس اور عقل کے اس دھوکے کو دور کرنے کے لئے دینِ حق کا یہ پیام محمد عربی (فداہ ابی و امی) نے عالم کو سنایا، کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر، فطرت کا شہکار ہو کر اپنے سے ادنی اور کمتر مخلوق کے آگے ذلیل نہیں ہو سکتا، اسکی گردن اگر جھک سکتی ہے، تو اسی ایک ہمہ خیر، ہمہ دان و ہمہ بین و ہمہ توان ہستی کے آگے جس کے دستِ قدرت مین ساری کائنات کی باگ ہے، جو جملہ صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے، اور تمام عیوب سے منزہ اور مبترا ہے! یہی ہستی ہماری الٰہ ہے، یہی قابلِ عبادت ہے، یہی مستحقِ استعانت ہے، یہی ہماری خالق ہے، مالک ہے، ہمارا رب ہے، مولیٰ ہے، حاکم ہے، اسی کے ہم مخلوق ہین، مملوک ہین، مربوب ہین، عبد ہین، محکوم ہین، اسی کی ہم عبادت کرتے ہین، اور اسی سے تمام حاجات و مرادات میں بھیک مانگتے ہین، یہی ذات غنی ہین، اور ہم سب اسی کے فقیر ہیں، اس کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہین!

یہ پیام صدق محض ہے، ہماری عزت نفس کے عین مطابق ہے، حق و خلق کے رابطہ کا سچا اظہار ہے، اس کو مان کر انسان حقیقی معنی مین انسان بنتا ہے، بے خوف، بے جگر مجاہد جس کی امید و بیم کا مرکز وہی ایک اللہ ہوتا ہے، جو سارے عالم کا مالک اور حاکم ہے! اب مجاہد کی زندگی کی ہر جنبش

اسی مالک و حاکم کے حکم کے تحت ہو جاتی ہے، اور اس کے احکام کی تعمیل میں امر کے امتثال میں وہ ایک جان دیتا ہے، تو ہزار جان پاتا ہے، اس کا ضعف قوت سے اسکی ذلت عزت سے، اس کا فقر غنا سے بدل جاتا ہے، موجوداتِ عالم میں سے وہ کسی سے نہیں ڈرتا، فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ[1] کا حکم اس کو سارے عالم سے بے خوف کر دیتا ہے، نہ وہ کسی سے امید و رجا رکھتا ہے، اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ[2] اس کو ساری کائنات سے غنی کر دیتا ہے، ذواتِ خلق سے امید و بیم کی نسبت کٹتے ہی وہ نفس مطمئنہ حاصل کر لیتا ہے، اور اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ کو راضی رکھ کر غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، اب وہ غنی عن الشئ ہے، کونسی چیز اللہ سے برتر ہو سکتی ہے، جس کے حصول کی وہ خواہش کرے، اب سب کچھ اسے حاصل ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے، لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ[3] علوے تمکین اسی کو حاصل ہے، وہی مخاطب ہے، اس قول کا: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ[4]!

دیکھو "اللہ" کے فہم نے اس کو کیا سے کیا کر دیا، یا تو وہ ایک حقیر اور ذلیل جانور کی طرح ہر ایک سے ڈرتا اور لرزتا تھا، ہر ایک کو نافع اور ضار قرار دیتا تھا، سر عبودیت خم کرتا تھا، مدد و اعانت کا خواہاں تھا، ان ہی کی عبادت و عبودیت میں زندگی گزار رہا تھا، مشوش، پریشان، حیران، خود ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" یا اب علم رسالت کے جاننے اور ماننے کے ساتھ ہی لا کی شمشیر ہاتھ میں لے کر وہ آگے بڑھتا ہے، اور اپنے جاہل ساتھیوں سے قرآن کے الفاظ میں پوچھتا ہے،

---

[1] اگر تم مومن ہو تو اُن سے خوف نہ کرو مجھ سے خوف کرو [2] کیا اللہ بندہ کے لئے کافی نہیں،

[3] تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ نہ آیا، اور نہ شیخی کرو، اس پر جو تم کو اس نے دیا،

[4] تم ہی بلند ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے،

افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون؟[۵]

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی بگزر ز خدائے کہ بصد رنگ تراشی

غیر اللہ کی عبادت وعبودیت کا جوا وہ گردن سے نکال کر پھینک دیتا ہے عمر میں پہلی مرتبہ حریت محسوس کرتا ہے، خوف کا بھاری پتھر اس کے سینہ سے اٹھ جاتا ہے، اپنے حقیقی مولیٰ کے آگے جھک جاتا ہے، اور ان کو رحیم پاتا ہے، کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْماً کی بشارت اس کو ہر طرح مطمئن کر دیتی ہے، اب اس کو یقین ہو جاتا ہے، کہ حق تعالیٰ اس کے ساتھ ایمان کے بعد شان رحمت ہی سے پیش آئیں گے، ان کے علاوہ رحیم ہونے کے حاکم وحکیم ہونا، اس کے دل کو اور قوی کر دیتا ہے، وہ انھیں اپنے ہر امر میں متصرف سمجھتا ہے، اور ان کے ہر فعل کو سراسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے، ان ہی کے حکم کے مطابق ان کو اپنے کاموں میں وکیل بناتا ہے فاتخذہ وکیلا ان کا فرمان ہے، کفی باللہ وکیلا کہہ کر وہ آزادی واطمینان کے ساتھ مصروف عمل ہو جاتا ہے،! اب کہاں یہ اور کہاں وہ جاہل جو غیر اللہ سے ذل وافتقار کی نسبت جوڑ رہا ہے، سچ ہے،

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُ، وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ"[۲] ———— (الفاطر، ۱۵)

دین کا اجمال: عبادت واستعانت، اس کا ماحصل، تحفظ توحید، اب اس اجمال کی کسی قدر تفصیل ضروری ہے،

عبادت غایت تذلل کا نام ہے، جس کا اظہار معبود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے، اس کے معروف طریقے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں، نماز کے تمام اعمال وارکان پر غور کرو، عبادت یا اظہار ذلت

---

[۵] اے جاہلو کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا امر کرتے ہو [۲] برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور نہ لو، اور برابر نہیں جیتے اور نہ مردے،

کا مفہوم بخوبی تمھارے دل نشین ہوگا، عابد نماز کا قصد کر رہا ہے، مصلّے کی طرف بڑھ رہا ہے، زبان پر ہے
انی ذاھبٌ الیٰ ربی سیھدین[1] دل غیر حق سے پاک ہے، حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بزرگی کا مستحق
نہیں سمجھتا، اور اسی فہم کے ساتھ تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتا ہے اور جب حق تعالیٰ کے روبرو ہو کر کہتا ہے
انی وجّھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین، دل
پوری طرح متوجہ بھی ہے، ورنہ جانتا ہے، کہ جھوٹ کی سزا کیا ہے، یُخادِعُونَ اللہَ وَھُوَ
خادِعُھُم[2] اب نیت مین بھی خلوص ہے، حق تعالیٰ ہی کے لئے نماز پڑھ رہا ہے، عاشقانہ ایمان
کے پیدا ہونے کے لئے پڑھ رہا ہے، عادت کے تحت نہین، ان ہی کے حول و قوت سے پڑھ رہا ہے،
ثنا مین حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت و جبروت کا اظہار کر رہا ہے، اور توحید کا اقرار لا الٰہ غیرک
سے ہو رہا ہے، اب حضوری مین دست بستہ نظر نیچی کئے ذلّت و مسکنت کی تصویر بنا کھڑا ہے، زبان
پر جاری ہے اَلحمدُ لِلّٰہ، اور دل مین سمجھ رہا ہے، کہ عالم مین کوئی ذات مستحق حمد نہین، سارے محامد
و محاسن کی وہی ایک ذات لاشریک لہ سزاوار ہے، جب ربّ العالمین کہتا ہے تو جانتا ہے، کہ
لا ربّ سواہ، ربوبیت اسی کو زیبا ہے، عالم تمام اس کا مربوب ہے، الرّحمٰن الرّحیم کہتے
وقت عالم رجا مین داخل ہوتا ہے، رحمت و کرم کی امید دل مین پیدا ہوتی ہے، جانتا ہے کہ رحمانیت
کا تعلق تو ساری کائنات سے ہے، رحیمیت خصوصی شے ہے، اور مومنین سے مختص کانَ بالمؤمنین
رَحیما، مالکِ یومِ الدّین کہتے وقت عالم خوف کا مشاہدہ کرتا ہے، روز قیامت حق ہے، اور
یہ وہ دن ہے، کہ اسکی شان مین فرمایا گیا، یوم لا تملک نفسٌ لِنفسٍ شیئًا[3]، اس امید و بیم
کی حالت مین عرض کرتا ہے کہ ایّاک نعبُدُ حق تعالیٰ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہین، ذل و افتقار

---

[1] مین اپنے رب کی طرف چلا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا [2] دغابازی کرتے ہین اللہ سے اور وہی
ان کو دغا دیگا [3] جس دن نہ کر سکے کوئی نفس کسی نفس کا کچھ،

کا رشتہ آپ ہی سے جوڑتے ہیں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، آپ ہی سے استعانت کرتے ہیں، جانتے ہیں کہ لَا فَاعِلَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ، غیر اللہ سے بالکلیہ اعراض کرکے آپ ہی کی طرف بالکلیہ رجوع ہوتے ہیں، ہم آپکے سوا استعانت کی جہت سے غیر کو کیوں پکاریں جب کہ ہمیں یہ سنا دیا گیا ہے اور ہم نے بھی تجربہ سے اسکی توثیق کرلی ہے کہ آپکے سوا کسی میں حول و قوت نہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ! اسلئے وہ نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر، اس مدح وثنا و اقرار عبودیت کے بعد التماس و دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ حق تعالیٰ راہ مستقیم کی ہدایت فرمائے نفس و ہوی سے چھوٹیں، آپ کا قرب نصیب ہو، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اہل انعام کی راہ پر چلنا نصیب ہو، جو انبیاء و اولیاء کی راہ ہے، یہی اہل انعام ہیں، وَالَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ، مغضوبین و ضالین کی راہ نہیں جنہوں نے غیر اللہ سے عبادت و استعانت کا رشتہ قائم کرکے ہمیشہ کے خسارہ میں اپنے کو مبتلا کرلیا، اِذْ ذٰلِکَ ھُوَ الْخَاسِرُوْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ!

اس حمد وثنا، التماس و دعا کے ساتھ وہ کلام ربانی کی چند اور آیتیں احکام خداوندی کے معلوم کرنے، تکرار سے ان کو اپنے ذہن میں جمانے، ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں کمانے اور حق تعالیٰ سے سرگوشی کرنے کیلئے پڑھتا ہے اور پھر فوراً جبیں میں جھک جاتا ہے، گویا اپنے رحمان و رحیم آقا کے "پیٹ میں مونڈی" دے دیتا ہے، اس طرح اپنی ذلت کا مزید اظہار کرتا ہے، اسی حالت میں اسکی زبان سے اس کے مولیٰ کی تقدیس و تنزیہ و تحمید جاری ہوتی ہے، اپنی بے مائگی فقر و ذلت کا احساس قلب میں واضح طور پر موجود ہوتا ہے، جب سر اٹھاتا ہے، تو حق تعالیٰ اسی کی زبان سے فرماتے ہیں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اس طرح اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں، جو سر معبود حقیقی کے آگے جھکتا ہے، وہ مخلوق کے آگے جھک نہیں سکتا، وہ سب سے بلند ہوتا ہے، ممتاز ہوتا ہے، بے نیاز ہوتا ہے، وہ ایک لاقیمت جوہر ہوتا ہے،

سچ ہے،

مَنْ رکن الی المولیٰ ومَالَ الیہ احرقہ اللہ بنورہ حتیٰ یصیر جوھرًا لا قیمۃ لہٗ[۱] (حدیث)

اس سرافرازی کے شکریہ مین وہ حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے، اور پیرون پر گر جاتا ہے، پیر پکڑ لیتا ہے، اور اس طرح غایت تذلل کا اظہار کرتا ہے، زبان پر آقا کی عظمت و رفعت و علو کا اقرار جاری ہوتا ہے، اس اظہار تذلل مین وہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک پاتا ہے، وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ[۲] یہ آنکھ کی ٹھنڈک اسکو اپنے محبوب مولیٰ کے مشاہدہ سے ہو رہی ہے، یہی اس کا کمال ہے، یہی اسکی معراج ہے، الصلوٰۃ معراج المومن،

معبود کا نہ صرف غیر محض ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا ہمہ توان یا قادر مطلق ہونا بھی لازمی ہے، یہ اپنی لامحدود قوت اور لامتناہی طاقت کی وجہ سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری حاجتون کو پوری کرتا ہے، مرادون کو برلاتا ہے، اس کے اعتصام کے بعد ہمین اسکی نصرت و اعانت کا قطعی یقین ہو جاتا ہے، اشر کے مسئلہ کی توجیہ سے عاجز ہو کر نتائجیہ[۳] (Pragmatists) نے خدا کے ہمہ توان ہونے کا انکار کر دیا، لیکن جو خدا قادر مطلق نہ ہو، وہ معبود حقیقی کب قرار دیا جا سکتا ہے، جو خود شر پر غالب نہ ہو ہماری مدد کیسے کر سکتا ہے، ہمارا مولیٰ اور نصیر کیسے ہو سکتا ہے، شر کی توجیہ کا یہ موقع نہیں لیکن ہم اپنے معبود کو فعال مطلق، ہمہ توان مانتے ہین، افعال و آثار کا مرجع اسی کو قرار دیتے ہیں، حول و قوۃ کا اسی کو مبدء سمجھتے ہین، اسی لئے اس سے استعانت چاہتے ہین، اور اس کے "نعم المولیٰ و نعم النصیر"

---

[۱] جو اپنے مولیٰ طرف جھکتا ہے، اور اسکی طرف مائل ہوتا ہے، تو وہ اس کو اپنے نور سے جلا دیتا ہے، یہانتک کہ وہ لاقیمت جوہر ہو جاتا ہے [۲] میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز مین رکھی گئی ہے (نسائی باب عشرۃ النساء)

[۳] زمانہ جدید کے فلسفیون کا ایک گروہ جن مین ولیم جمیس، ایم جی ولس، برنارڈ شا وغیرہ داخل ہین

ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اِعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ[۱] جب قوت صرف اسی کو حاصل ہے لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ حرکت کا بھی وہی مبدء ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ تو فعل (بمعنی حرکت) جو حرکت و قوت ہی کا نتیجہ ہے، صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور ذواتِ خلق سے اسکی بالکلیہ نفی ہو جاتی ہے، اس حقیقت کے سمجھتے ہی اس کی بصر و بصیرت سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے، اور وہ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ[۲] کے معنی سمجھ جاتا ہے، غیر اللہ سے استعانت کی نسبت کاٹ کر اسلم عبدی واستسلم کا مصداق بنجاتا ہے!

اپنے رب سے استعانت کے طریقے کیا ہیں؟ بصیرتِ محمدیہ نے جن طریقوں کی تعلیم فرمائی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

اپنی حاجتوں اور مرادوں میں حق تعالیٰ سے دعا کرو، دعا کا حکم ہے، اور اجابت کا وعدہ، اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ، حق تعالیٰ جودِ محض ہیں، عطا محض ہیں، ان میں بخل کا شائبہ نہیں، مایوسی و محرومی ان کی درگاہ سے نہیں تشفی کے لئے فرمارہے ہیں، لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ[۳] وہ حکیم بھی ہیں، ان کا فعل حکمت رکھتا ہے، وہ ہمارے خیر کو ہم سے بہتر جانتے ہیں، اگر وہ ہماری کسی دعا کو قبول نہیں فرماتے ہیں تو اسی نہ قبول فرمانے ہی میں ہمارا فائدہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، مَنْعُهٗ عَطَاءٌ، مرد کا کمال اسی میں ہے، کہ ان کی منع کو عطا جانے، کسی عاشق نے اسی جذبہ کے تحت کہا ہے،

اگر مراد تو اے دوست نامرادی ماست مراد خویش دگر بار من نخواہم خواست

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے، لَا اُبَالِیْ عَلٰی اَیِّ حَالٍ اَصْبَحْتُ عَلٰی مَا اَكْرَهُ اَوْ عَلٰی مَا اُحِبُّ لِاَنِّیْ لَا اَدْرِی الْخَیْرَ فِیْهِمَا[۴] حق تعالیٰ خود ہمیں تعلیم فرمارہے ہیں، اور ایک نہایت دقیق نکتہ

۱؎ تمہیں اپنے مولیٰ کا اعتصام چاہیئے، وہی تمہارا اچھا مولیٰ ہے، اور اچھا مددگار ۲؎ کوئی ذرہ بغیر اللہ کے حکم کے حرکت نہیں کرتا ۳؎ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۴؎ مجھے اس امر کی پرواہ نہیں کہ میں کس حال میں صبح کرونگا ایسی

کی تعلیم فرما رہے ہین،

عَسٰی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَعَسٰی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ ع ۱۰)

اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف کہنے لگتا ہے، "ہمہ آن باد کہ او خواہد آن مباد کہ ما خواہیم" اور خواجہ شبلی نے عارف کی تعریف ہی اس طرح کر دی کہ "عارف اوست کہ منع نزد او دوست تر از عطا باشد" یہین سے رضا کا مقام شروع ہو جاتا ہے، جو استعانت کا بلند ترین طریقہ ہے،

بہرحال اگر حق سبحانہ تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے بندۂ مومن کی دعا قبول نہین فرماتے تو اس کے قلب کی حفاظت فرما دیتے ہین، مطلوب کی جانب سے خیال پلٹ دیتے ہین، حکایت شکایت، جزع فزع کی طرف مائل نہیں کرتے، رضا کے مقام مین پہونچا دیتے ہین، اور وہ "لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ" کہہ کر حق تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے، اجابتِ دعا کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مطلوب تو حاصل نہین ہوتا، لیکن حق تعالیٰ اسکی دعا کو رد نہیں فرماتے، بلکہ اسکی کسی بلا کو دور کر دیتے ہین، گو اس کو بدل کا علم نہین ہوتا، ایک آخری صورت یہ بھی ہے کہ مدعا اگر وہ دنیا مین نہین پاتا، تو آخرت کے لئے یہ ذخیرہ کیا جاتا ہے،

اِنَّ الْعَبْدَ یَرٰی فِیْ صَحَائِفِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَسَنَاتٍ لَا یَعْرِفُھَا فَیُقَالُ اِنَّھَا بَدَلُ سُؤَالِکَ فِی الدُّنْیَا لَمْ یُقْدَرْ قَضَاءُہٗ فِیْھَا" (حدیث)	قیامت کے دن بندہ اپنے اعمال نامے پر وہ نیکیان لکھیگا جن کو وہ نہین پہچانے گا اس سے کہا جائیگا کہ یہ سوال کا بدل ہین جو تو نے دنیا مین کیا تھا لیکن تیرے مقدر میں دنیا مین ۴

(ان کی قضاء نہ تھی)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰) حالتمین جسکو مین پسند نہین کرتا یا اسی حالت مین جس کو مین پسند کرتا ہوں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے بھلائی کس حالت مین ہے ۵ شاید کہ بری لگے تم کو ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمھارے حق مین، اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمھارے حق مین اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے،

بہرصورت اجابتِ دعا کا وعدہ سچا ہے، لیکن یہ وعدہ مطلق ہے، مقید نہیں کہ اسی وقت اور اسی صورت مین پورا کر دیا جائے، جس وقت اور جس صورت مین کہ بندے نے دعا مانگی ہے، فافہم اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائین تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا، کہ کیون رسول عربی نے اس دعا کی تعلیم فرمائی تھی :-

اَللّٰھُمَّ اکفنی کلّ ھَمٍّ مِنْ حیث شئتَ وَکیف شئتَ وَانّٰی شئتَ ومِنْ اَیْنَ شئتَ

استعانت کا دوسرا طریقہ اپنے کامون مین حق تعالیٰ پر توکل کرنا ہے، اگر ہمین اس بات کا یقین ہو، محض علم نہیں یعنی تحقق ہو محض تعقل نہین، یا جدید نفسیاتی اصطلاح مین یون کہو کہ اگر یہ بات ہمارے تحت الشعوری نفس مین اتر گئی ہو، کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہین، کرنے والے خود بدولت ہین، افعال و آثار کا مرجع خود ہین، حول و قوۃ کا مبدء خود ہین، اور پھر اس کا بھی تیقن ہو کہ ایمان کے بعد وہ رحیم بھی ہین "کَانَ بالمؤمنینَ رَحِیْمًا" ولی ہین، وَاللّٰہ وَلِیّ المؤمنین، تو ہم اپنے تمام امور ان کے تفویض کرنے مین خوشی سے آمادہ ہو جائین گے، اور اس تفویض کے ساتھ ہی فکر سے آزاد ہو جائیں گے، طمانیت و مسرت سے ہمارے قلوب بھر جائین گے، اور کسی مستِ محبت کے الفاظ مین کہہ اٹھین گے،

وکلت الی المحبوب امری کلّہ فانْ شاءَ احیانی وان شاء اتلفا[1]

توکل اپنی حول و قوۃ سے بری ہونا ہے، اعتصام باللہ ہے، ذوالنون رح نے توکل کی تعریف اسی طرح کی ہے، :"التوکّلُ ترکُ تدبیرِ النفس والانخلاع مِنَ الحوْل والقوّت"[2] اور سری سقطی رح نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے، التوکّلُ الانخلاع عَن الحول والقوۃ، ان تعریفون کا ماخذ حدیث نبوی: لاحَولَ وَلا قوۃ الّا باللّٰہ اور قول عزوجل لا قوۃ الا باللّٰہ توکل قلبی عمل ہے،

---

[1] مین نے اپنا کام اپنے محبوب کے حوالہ کیا، خواہ اب وہ مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے [2] توکل اپنے نفس کی تدبیر کو چھوڑنا، اور اپنی حول و قوت سے نکل آنا ہے،

یعنی قلب میں یقین جا گزین ہو، کہ مجھ مین اور کسی شے مین نہ اثر ہے، نہ قوت ہے، نہ حرکت ہے، مجھ مین اور ہر شے مین اثر و قوت و حرکت حق تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہین، وہ جس طرح میرے خالق ہین، میرے افعال کے بھی خالق ہین، خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ میرے اقتضا فطرت عین کے مطابق افعال کی تخلیق فرمارہے ہین، میرا اقتضا میرا اختیار ہے لیکن فعل کی تخلیق حق تعالیٰ کی جانب سے ہو رہی ہے، اسلئے اسباب قطعیہ کے استعمال واختیار کا مجھے حکم ہے، حکم کے تحت مین ان کو استعمال کر رہا ہون جانتا ہون کہ اگر مجھے اولاد کی خواہش ہو، تو جماع کو ترک نہین کرسکتا، بھوک کی تشفی کے لئے نوالہ کا اٹھانا اور اس کا چبانا اور حلق سے نیچے اتارنا قطعی ضروری ہے، توکل یہاں ترکِ عمل و تعطل کا نام نہین، علم و حالت کا نام ہے قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہے، کہ ہاتھ مین قدرت، حرکت فعل سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے پیدا ہوئے ہین، ان کی مشیت اور ارادے سے پیدا ہوئے ہین، وہ چاہین تو نوالہ منہ تک نہ پہونچے، ہاتھ شل ہوجائے، کھانا بھی چھن جائے، نظر ان کے فعل پر ہے فضل پر ہے، اپنے زور بازو پر نہین، کسب پر نہیں، دست بکار دل بیار! توکل ترک اسباب نہین، ترکِ رویتِ اسباب ہے[۱]

مبادیات کو سمجھ جانے کے بعد رزق کے مسئلہ پر ذرا غور کرو، رزق کا ذمہ حق تعالیٰ نے لیا ہے "وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا"[۲] صرف ذمہ داری پر اکتفا نہین کیا قسم بھی کھائی ہے، صرف قسم پر اکتفا نہین کیا، مثال بھی بیان کی ہے: "وفی السّمَاء رزقکُمْ وما توعدُون، فورَب السّمَاء والارض انہ لحق مثل مَا انکمْ تنطقون"[۳] (پارہ ۲۶، رکوع ۱۷) حق تعالیٰ ان لوگوں کو بھی رزق دیتے ہین، جو غفلت و معصیت مین مبتلا ہین، فسق و فجور مین چور ہین، پھر جو ان کی اطاعت و رعایت

---

[۱] حضرت شاہ میر قبدرحؒ [۲] اور زمین پر کوئی ایسا چوپایہ نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ پر نہین [۳] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی کہ یہ بات تحقیقی ہے جیسے کہ تم بولتے ہو

کرتے ہون، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہین، ! دیکھو جو درخت ہوتا ہے، وہی سینچا بھی ہے، !خلقت کو وہی مدد دیتا ہے، جو ان کا خالق ہے، مخلوق کے لئے یہ بات کافی ہے، کہ ان کا خالق ان کو کافی ہے الیس اللہ بکافٍ عبدہ کا ایجاد ان سے ہے، دوامِ امداد بھی ان ہی سے ہے، تخلیق ان سے ہوئی، رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، !! اسکی مثال انسان اپنے نفس مین پاتا ہے، یہ جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہے، تو ان کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہے، حق تعالیٰ نے جب ہمین اپنی مشیت وارادے سے پیدا کیا ہے، تو رزق کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، !! انہی کے خوانِ کرم سے ہمین برگ ونوا حاصل ہے، حق تعالیٰ ہمارے مولیٰ ہین، آقا ہین، ہم ان کے عبد ہین، غلام ہین، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے، جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر ہم ان کے ہو رہین، انکے سوا نہ کسی کی عبادت کرین، نہ کسی سے حاجت ومراد برآری چاہین، تو کیا یہ ممکن ہے وہ اپنا حق ادا نہ کرین؟[۵۱] اسکی بشارت اس آیۂ کریمہ مین دے رہے ہین، :

من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا و	جو تقوی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے
یرزقہ من حیث لا یحتسب و	راستہ نکالتے ہین اور ایسی جگہ سے رزق فراہم
مَنْ یتوکّل علی اللہ فھوَ	کرتے ہیں جہاں کسی کا سان گمان بھی نہیں ہوتا،
حسبہ،	جو اللہ پر توکل کرتا ہو اللہ اسکے لئے کافی ہے

رزق کا وعدہ قطعی، صرف ہمین اپنا حق عبادت وعبودیت ادا کرنا ہے، پھر نا ممکن ہے کہ وہ ہمین اپنے گھر بلائین، اور پھر ہمیں اپنے احسانات سے محروم رکھیں، وجود بخشی کرین اور پھر مدد نہ کرین ہست کرین اور اپنے کرم سے محروم رکھین، اپنا حق (عبادت) ہم سے طلب کرین اور ہمارا حق (رزق) ہمین نہ دین[۵۲]! وہ کریم ہین ان سے معاملہ کرکے ان کی خدمت ادا کرکے کون خسارہ مین رہتا ہے؟

[۵۱] مثالیں ابوالعطا اسکندری رح کی ہین [۵۲] ،،

"مَنْ ذالذی سالک فحرمته اولجا الیک فاھملته او تقرب الیک فابعدته
او ھرب الیک فطردته"[۱]؟ (از اسبوع حضرت غوث اعظمؓ)

اسی خیال کے تحت کسی عاشق نے کہا ہے، گمان تو انیست کہ از رزق چارہ نیست اما رزق
راز تو چارہ نیست ؎

بد بنال روزی چہ باید دوید،
تو بنشیں کہ روزی خود آید پدید،

ایک دوسرے عاشق نے اسی خیال کو یون ادا کیا ہے:

ہین توکل کن ملرزاں پا و دست رزقِ تو بر تو ز تو عاشق تر است!

بہرحال اتباعِ نبوت اسی مین ہے کہ رزق کی طلب مین کوشش کرین لیکن اجملوا فی الطلب"[۲] کو
پیش نظر رکھیں اور یاد رکھین کہ ہماری طلب رزق کے حصول کا مستقبل سبب یا قطعی علت نہین، شاہ
عبدالحق محدث دہلوی رح شارح فتوح الغیب نے مسئلہ کو اجمالاً خوب ادا کیا ہے "بعد از طلب می یابی اما
نہ بطلب می یابی" یہی مفہوم اس شعر مین ادا ہوا ہے:

بجستجوے نیابد کسے مراد دلی کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد،

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جستجو کو مرادیابی کی مستقل علت قرار نہ دینی چاہئے، کیونکہ معاملہ فضل
پر منحصر ہے، ہان جستجو ضرور کیجائے، عادت الٰہی یہی ہے، کہ حرکت مین برکت دیتے ہین،

استعانت کا تیسرا طریقہ مصیبتون میں صبر کرنا ہے،

---

[۱] وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا، اور تونے اس کو محروم رکھا، یا تجھ سے ملتجی ہوا، اور تونے اس کو بے کار
چھوڑا، یا تجھ سے ملاپ چاہا اور تونے اس کو دور کر دیا، یا تیری طرف دوڑ کر آیا اور تونے اس کو دھتکار دیا [۲] یعنی دنیا
کمانے مین دل توڑ کر کوشش نہ کرو،

دنیا دار الحزن ہے، دار المحن ہے، سجن (قید خانہ) غم کی وادی ہے، شیطان کی دکان[1] ہے جس میں سوا شر و فساد کے کچھ نہیں،

اُفٍ للدنیا و ایامہا — فانہا للحزن مخلوقہ[2]

ھمومہا لا تنقضی ساعۃ — عن ملکٍ فیہا و سوقہ

درویش ہو کہ شاہ، امیر ہو کہ گدا سب غم و ہم میں مبتلا ہیں، ہدف بلا ہیں، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ[3] چونکہ حق تعالیٰ ہی ہماری غم سے آزمایش کرتے ہیں، مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، رلاتے اور ہنساتے ہیں وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی مارتے اور جلاتے ہیں، وَاَنَّہٗ ھُوَ اَمَاتَ وَاَحْیٰی، اور غنی کرتے اور فقیر کرتے ہیں وَاَنَّہٗ ھُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی اسلئے حق تعالیٰ ہی ہمیں مصائب سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، اور وہ طریقہ صبر ہے کیا حکیمانہ ارشاد ہے،،

یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"

ایمان والو موجودہ مصائب پر صبر کرو، دوسروں کے ساتھ صبر و استقلال سے کام لو (صابروا) اور ایسے کاموں میں ثابت قدم رہو جس کا وقت ابھی نہیں آیا (رابطوا)[4] اور اللہ سے ڈرو اسی میں تمہاری فلاح و بہبودی ہے، یہی نجاح کا راستہ ہے" صرف صبر اور حق تعالیٰ ہی کے حکم پر واصبر لحکم ربک اور حق تعالیٰ ہی کے لئے وما صبرک الا باللہ ہاں صرف صبر کرنے ہی سے مصائب کی برداشت سہل ہو جاتی ہے، غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں، فکر کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اسباب کی راہ سے اگر

---

[1] قول یحییٰ بن معاذ [2] دنیا اور ایام دنیا پر افسوس ہے، کہ وہ حزن و غم کے لئے بنائی گئی ہو اسکے غم ایک گھڑی کے لئے ختم نہیں ہوتے، خواہ بادشاہ کے لئے ہوں یا بازاری آدمی کے لئے [3] ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا الایۃ [4] رباط کے معنی اعدا کے مقابلہ میں گھوڑے باندھنے کے ہیں، یعنی مورچہ بندی اور ظاہر ہے کہ مورچہ بندی حفظ ما تقدم کے لئے ہوتی ہے۔" (مولانا اشرف علی تھانوی)

انسان مصائب کو دور کرنا چاہے، غم سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہے، اور راحت کی امید باندھے، تو سوائے حسرت و یاس کے کچھ نہیں ملتا، مولانائے روم نے اسی چیز کو کس خوبی سے ادا فرمایا ہے

گر گریزی باامید راحتے، ہم ازآنجا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست!

حق تعالیٰ سے اگر محبت ہو، اور مصیبت کو ان ہی کی طرف سے دیکھے، تو مصائب کا آسان ہونا ضروری ہے، اسکی مثال یوں سمجھو کہ تم ایک تاریک کمرے میں ہو، کوئی چیز تمھین آلگی، اور تم تڑپ اٹھے تھیں معلوم نہین کہ مارنے والا کون ہے، جب تم نے چراغ منگوایا اور دیکھا کہ یہ تو تمھارا شیخ ہے، یا باپ ہے، یا کوئی ایسی عزیز، محبوب ہستی ہے، جس سے تم کسی صورت مین آزار کی توقع نہین کرسکتے تو تمھارا یہ جاننا بیشک تمھاری تسلی اور صبر کا باعث ہوگا، کیونکہ تم اس تکلیف مین بھی دقائق لطف کا معائنہ کروگے[۱]، اسی طرح وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ میں حق تعالیٰ اپنے بندۂ خاص سے بطریق منت فرما رہے ہین، کہ اپنے پروردگار کی رضا وخوشنودی کے لئے اس کے حکم و بلا پر صبر کر، کیونکہ ایمان کی حلاوت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کہ تیر بلا کا ہدف نہ بنے، ع

من ساختہ جاں را ہدفِ تیر بلا یت!

اگر تم کو حق تعالیٰ کے بیحد مہربان، رحیم اور ودود ہونے کا یقین ہو جائے، اِنَّ اللّٰہَ بِکُم لَرَءُوفٌ رَّحِیمٌ پر ایمان ہو، کَانَ اللّٰہُ غَفُوراً رَّحِیماً پر اذعان ہو، اور واللّٰہ ذُو الفَضلِ العَظِیمِ پر ایقان قائم ہو جائے، تو پھر تم اپنے دکھ درد کو پوشیدہ رحمت سمجھوگے، مثالون سے اس نکتہ کو سمجھو، مشفق باپ اپنے بچے کو پچھنے لگاتا ہے، لیکن دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا، فاسد خون جو اس کے بدن مین زہر ہے، آسان طریقہ سے نکال رہا ہے، ماں اپنے چھوٹے بچے کو غلیظ دیکھنا نہیں چاہتی، صابون اور گرم پانی سے

---

[۱] یہ مثال ابو العطا اسکندری نے دی ہے، بتغیر یسیر یہان استعمال کی گئی،

اسکو نہلاتی، اسکے جسم کو رگڑتی اور مالش کرتی ہے، بچہ چیختا چلاتا ہے، دکھ محسوس کرتا ہے لیکن ماں کا مقصد آزار پہنچانا نہیں ہوتا، تمھارا خیرخواہ طبیب تمھیں ایارج دیتا ہے، اور تم اسے ناپسند کرتے ہو لیکن اگر وہ تمھارے اختیار کا اتباع کرے تو شفا تم سے کوسون بھاگے، اگر تم کو کوئی ایسی چیز نہ دیجائے جس پر تمھارا دم نکل رہا ہو، اور تمھیں یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے، کہ یہ نہ دنیا عین شفقت و مہربانی کے باعث ہے، تو تم کہوگے کہ یہ نہ دنیا ہی میرے حق مین دنیا ہے، شیخ ابوالحسن شاذلی نے کیا خوب فرمایا ہے "جان لو کہ اگر حق تعالیٰ تم کو کوئی چیز نہیں عطا فرماتے، تو ان کا یہ نہ دنیا بخل کی وجہ سے نہیں، بلکہ عین رحمت ہے، ان کا نہ دینا ہی دینا ہے، لیکن نہ دینے مین دینا وہی سمجھتا ہے، جو صدیق ہے، عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا[۵۱] مین اسی راز کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدائد پر بھی اسی طرح شکر فرماتے جس طرح کہ نعمتون پر" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا یَسَاءُ وَیَسُرُّ[۵۲]

صرف ایمان کی ضرورت ہے، اور شدتِ حب کی، ہر مصیبت کے وقت حق تعالیٰ کی جو تجلی ہوتی ہے، مومن کو اس تجلی مین ایسی حلاوت نصیب ہوتی ہے کہ وہ سختی غم کو آسانی سے جھیل لیتا ہے، اور اکثر اوقات غلبۂ تجلی سے اسکو دکھ بھی نہیں محسوس ہوتا، یہ بات اگر تمھاری سمجھ مین نہ آرہی ہو تو زلیخا پر طعنہ کرنیوالی حسین بیبیون کے حال پر غور کرو، یوسف کے ہوش ربا جمال سے وارفتہ ہوکر انھون نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، اور خبر بھی نہ ہوئی، کہ درد کیا چیز ہے، فَلَمَّا رَاَیْنَہٗٓ اَکْبَرْنَہٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ[۵۳] زبانِ حال سے وہ کہہ رہی تھین، ؎

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را | بسم اللہ اگر تاب نظر است کسے را!

شاید یہی معنی ہین عرفا کے اس قول کے کہ "انس قرب سے ادراکِ الم مفقود ہو جاتا ہے۔"

---

[۵۱] شاید تم کسی چیز کو براجانو اور اللہ تعالیٰ نے اس مین خیر کثیر رکھی ہو [۵۲] شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس چیز پر جو بری معلوم ہو اور جو خوش نظر آئے [۵۳] پھر جب دیکھا اسکو ششدر رہ گئین، اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ،

ایمان اور محبت مین پختہ ہونیکے بعد تم کو بیماریون، بلاؤں، فاقون مین وہ اسرار لطف ورحمت نظر آنے لگین گے، کہ تم کہہ اٹھوگے کہ رسول اللہؐ نے سچ فرمایا، حُفّت الجنّۃ بالمکارہ وحُفّت النّار بالشّھوات[1] بلاؤں اور مصیبتون سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل وخوار ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، ان سے ربط قائم کرلیتا ہے، اور سبھون سے ٹوٹ جاتا ہے، خلق سے فانی ہوجاتا ہے، غم سے زیادہ مؤثر سیرت سازی کے لئے کوئی اور شئے نہین، غم ہی کے ذریعہ نفس کی خامیان دور ہوتی ہین، قلب کا تزکیہ ہوجاتا ہے، روح کا تجلیہ ہوجاتا ہے، بلا وغم کی وجہ سے اگر تم نے اپنے امراض قلبی کا معالجہ کرلیا، نفس کی تطہیر مین کامیابی حاصل کرلی، ایمان اور عمل صالح سے مزین ہوگئے، ربط بحق قائم کرلیا، استقامت پیدا کرلی، تو یاد رکھو کہ غم نے تمھیں "فوز عظیم" کے حاصل کرنے مین مدد دی، اور ایسے غم پر ہزاروں خوشیان قربان ہین، وہ خوشیان جن کی وجہ سے تم شہوتون مین گرفتار رہتے تھے، ہوا وہوس کے شکار تھے ظلمتون میں گھرے ہوئے تھے، اور نور سے دور تھے، حق تعالیٰ سے تمھارا کوئی ربط نہ تھا، شیطان تمھارا قرین تھا، تم پر مسلط تھا، اور اس وعید کے تم مصداق تھے:

وَمَنْ یَعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ[2]

بلا کے اسی فلسفہ سے واقف ہوکر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا، کہ "افضل عیش" (بہترین زندگی) ہم نے صبر میں پائی حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہوئے، لوگون نے عیادت کی، اور کہا کہ ہم طبیب کو بلائین؟ فرمایا طبیب نے مجھے دیکھ لیا، کہا کہ پھر کیا کہا؟ فرمایا کہ یہ کہا ہے کہ اِنّی فعّال لما ارید[3] معروف کرخیؒ فرمایا کرتے تھے: لیس بصادقٍ فی دعواہ من لم یتلذذ بضرب مولاہ جو اپنے مولا کی ضرب سے متلذذ نہیں ہوتا، وہ سچا غلام نہیں اپنے دعوای عبودیت میں صادق نہین، بعض عارفین

۱؎ جنت تو ان باتون سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہین، اور دوزخ شہوتون (خواہشون) سے گھری ہوئی ہے۔
۲؎ اور جو کوئی آنکھ چرائے رحمٰن کی یاد سے، ہم اس پر مقرر کردین ایک شیطان پھر وہی رہے اس کا ساتھی
۳؎ وہی کرتا ہون جو میں چاہون،

کی جیب میں یہ لکھا رہتا تھا، واصْبِر لِحکمِ ربّک فانّک باعیننا مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے اور محض اس خیال سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، جھومتے رقص کرتے، ! رسول اللہؐ نے اس آیت پر وجد فرمایا تھا، اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ آپ کے پاؤں پر گر گئی یقین یہ اسی لئے سلف کے بعض بزرگ تعزیتِ مصاب یوں کیا کرتے تھے، اصْبِر لِحکمِ ربّک اسکے ساتھ اس قول نبوی صلعم کا سنا دینا بھی مومن کی خاص تسلی کا باعث ہوگا،

اذا احب اللہ عبدًا ابتلاہ		جب اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسکو
فان صبر اجتباہ وان رضی	طبرانی	مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگر وہ صبر کرے
اصطفاہ"		تو اپنا پسندیدہ اور راضی رہے تو برگزیدہ

اب ایک کلی نفسیاتی قانون پر غور کرو، انسان کے لئے مصیبتوں اور آفتوں کا برداشت کرنا اس وقت کسی قدر آسان اور سہل ہوتا ہے، جب اس کو کسی اچھے بدل کی توقع ہوتی ہے، مثلاً اگر میں اپنے وطن سے دور، اہل و عیال سے چھوڑ کر کسی جگہ تمام دن محنت و مشقت میں گزار رہا ہوں تو واقعی میرے لئے یہ ایک مصیبت ہے، لیکن میں اس کو مصیبت نہیں سمجھتا، کیونکہ مہینے کے ختم پر مجھے اس کا معاوضہ معقول تنخواہ کی صورت میں مل جاتا ہے، یہ میرے غموں کو بھلا دیتا ہے، میرے زخموں کے لئے مرہم کا کام دیتا ہے، ! اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ان وعدوں اور بشارتوں پر غور کرو جو قرآن کریم میں اس شخص سے کیجا رہی ہیں، جو مبتلائے مصیبت ہے، اور صبر کر رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں صبر ہی میں رکھی ہیں !

امام احمد رضی اللہ عنہ کی تحقیق ہے، کہ قرآن میں صبر کا ذکر نوے جگہ آیا ہے ! ہم یہاں چند ان بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں، جو صابر کے حق میں آئی ہیں، اگر وہ ان کو پیش نظر رکھے، ان پر یقین دے

لے اور اپنے رب کے حکم پر صبر کر کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اذعان کے ساتھ تفکر کرے تو چیخ اٹھے، کہ بلا از دوست عطاست واز عطا نالیدن خطاست!

صبر سے ہم حق تعالیٰ کے محبوب بنتے ہین اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ[1]، اور جو حق تعالیٰ کا محبوب ہو اس کو کس چیز سے حزن ہو سکتا ہے، اور کس چیز سے خوف؟ صابر کو حق تعالیٰ سے معیت نصیب ہوتی ہے، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ[2]، اور یہ معیت سوکھی معیت نہین جس کے ساتھ حق تعالیٰ ہون وہ کیسے ذلیل ہو سکتا ہے، کیسے مقہور ہو سکتا ہے، خلق اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے،؟ لا طاقۃ للمخلوق مع قدرۃ الخالق!

صبر ہی سے امامت وپیشوائی نصیب ہوتی ہے، وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا[3] خلق کی ہدایت کا منصب سپرد ہوتا ہے، صابر کے لئے اس کا صبر اعداء کے مکر وفریب کے مقابلہ مین ایک زبردست سپر ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا[4]، بالآخران پر غالب ہونا اس کے لئے یقینی ہے، فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ[5]، اس کا اپنے مطلب پر فائز ہونا ضروری ہے، وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا یعنی تیرے پروردگار نے جو وعدہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا یعنی دشمنون سے نجات اور ملک وحکومت کے عطا کرنے کا وعدہ صبر ہی کی وجہ سے ایفا ہوا! صابرین کے لئے غیر محدود اجر کا وعدہ ہے، اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ، سلیمان بن قاسم نے کہا ہے، کہ ہر عمل کا ثواب معلوم ہے، مگر صبر کا اجر "بغیر حساب" ہونیکی وجہ سے نامعلوم وناقابل علم! حق تعالیٰ نے صابرون کے لئے اپنی رحمت، ہدایت اور صلوٰۃ یکجا جمع کی ہین، اور یہ اکٹھے ان کے سوا کسی اور کو نہیں دیئے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَ

---

[1] اللہ صبر کرنے والون کو دوست رکھتا ہے [2] اللہ صبر کرنے والون کے ساتھ ہوتا ہے [3] اور کئے ہم نے ان مین سے پیشوا جو راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے [4] اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو ان کے مکر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہونچیگا [5] پس صبر کرو کیونکہ متقین کا انجام نیک ہوتا ہے،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔![۵]

اگر درد، گریز پا، سریع الزوال، فانی درد، صبر کے ساتھ برداشت کر لیا جائے (اور اسکی برداشت ناممکن بھی نہین کیونکہ ناقابلِ برداشت تکلیف کسی کو دی بھی نہیں جاتی) تو دیکھو اسکے معاوضہ مین کیا مل رہا ہے،؟ کن چیزوں کا وعدہ ہو رہا ہے،؟ اور کون وعدہ کر رہا ہے،؟ کس کی زبانی وعدہ کیا جا رہا ہے،؟ اگر تمھارے قلب مین ایمان کی شمع روشن[۲] ہے، اگر وہ "غلاف" مین نہین باندھ دیا گیا ہے، اوندھا نہین ہو گیا ہے، اگر وہ ادراک کی قوت رکھتا ہے، اور ان حقائق کا ادراک کر رہا ہے، تو کیا درد اس کے لئے ایک نعمتِ بے بہا نہیں، کیا وہ اس سے متلذذ نہیں ہوگا اس کا مشتاق نہ ہوگا، اور فرطِ اشتیاق مین یہ چیخ اسکی زبان سے نہین نکلیگی،

زہر غم دوست جز شکر نیست این تیر نصیب ہر جگر نیست!

ہر کے دہد آن حبیبِ جانی شیرین بود انچہ تلخ می دانی!

اب غور کرو اس حدیث کے مفہوم پر:

یتعاھد اللہ عبدہٗ بالبلاء	حق تعالیٰ اپنے بندے کی بلا کے ذریعہ
کما یتعاھد الوالد الشفیق	خبر گیری کرتے ہین، اسی طرح جس طرح کہ
ولدہٗ "	مہربان باپ اپنے بچہ کی خبر گیری کرتا ہے،

۵[۱] اور بشارت دو صابرین کو جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہین کہ ہم اللہ ہی کے ہین، اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والے ہین، یہ وہ لوگ ہین جن پر ان کے پروردگار کے صلوات ہین، اور رحمت اور یہی ہدایت یافتہ ہیں،

۵[۲] ابو سعید سے مرفوعاً روایت ہے کہ دل چار طرح کے ہوتے ہین، (۱) اجرد (برہنہ) اس میں چراغ سا جلتا ہے، یہ مومن کا دل ہے (۲) اغلف جسکو غلاف مین باندھ دیا گیا ہے یہ کافر کا دل ہے (۳) منکوس (اوندھا) یہ خالص منافق کا دل ہے (۴) مصفح وہ دل جس مین ایمان و نفاق دونون موجود ہین، یعنی زبانی ایمان کا دعویٰ اور دل مین اسکا یقین نہین

صحابۂ کرام کے یہی ادراکات تھے، اور انہی کی قوت سے انھوں نے اپنا سارا تن من دھن اسلام کی راہ میں قربان کر دیا تھا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

صبر کا ادب یہ ہو کہ زبان کو شکوہ شکایت سے روکا جائے، سوائے حق تعالیٰ کے اپنی مصیبت کا کسی سے گلہ نہ کیا جائے، اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ[۱]!

درد و غم نہان بہ ز طبیبان مدعی
باشد کہ از خزانہ غیبم دوا کنند

غور تو کرو کہ مخلوق سے شکوہ کرنے کے کیا معنی ہیں، یہی نہ کہ ایک رحیم و کریم ذات کا ایک غیر رحیم و غیر کریم ہستی سے شکوہ کیا جا رہا ہے، ایسا شخص کبھی حق تعالیٰ کی اطاعت کی حلاوت اپنے دل میں نہ پائے گا، اعلیٰ صبر یہ ہے کہ مصیبت کو چھپایا جائے، مِنْ كُنُوْزِ الْبِرِّ كِتْمَانُ الْمَصَائِبِ وَمَا صَبَرَ مَنْ بَثَّ[۲] (حدیث انس مرفوعاً) لیکن مصیبت میں یا درد کی حالت میں زبان سے ہائے وائے نکل جائے تو یہ منافی صبر نہیں بشرطیکہ ان سے شکوہ شکایت مقصود نہ ہو، اور محض استراحت منظور ہو، کیونکہ کراہنے سے توجہ درد کی طرف سے ہٹ کر اس میں ایک قسم کی کمی محسوس ہوتی ہے، اسی لئے "انین" (نالہ) کی دوسری قسم کے متعلق حکم ہے، کہ "لا یکرہ ولا یقدح فی الصبر" یعنی صبر کے منافی نہیں، اور پہلی قسم کو بروایت امام احمدؒ قادح صبر قرار دیا گیا ہے۔

بلا اور مصیبت کے وقت صبر کے معنی یہی ہیں، کہ توافق بالقضا کیا جائے، گو فطری طور پر درد و حزن ہو رہا ہو اور ہوگا کیسے نہیں، یہ تو اقتضائے بشریت ہے، انسان کامل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کے انتقال پر فرما رہے تھے، اَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ اترے فراق نے

---

[۱] میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب و غم اللہ کے سامنے [۲] نیکی کا خزانہ مصائب کے چھپانے میں ہے، جس نے اپنے مصائب کو ظاہر کر دیا، اس نے صبر نہیں کیا۔

اے ابراہیم ہمیں محزون کر رکھا ہے) لیکن عقلی صدمہ، نہ ہونا چاہئے یعنی اس مصیبت کے واقعہ کو بے محل اور قبل از وقت خیال نہ کیا جائے، اس کے ساتھ توافق کیا جائے، زبان پر ہو ع ہرچہ آن خسرو کند شیرین بود، اور دل میں یہ خیال ہو ع جہان دار داند جہان داشتن، اب حکم کے تحت اسباب قطعیہ کا استعمال جائز ہی بلکہ ضروری ہے، اور انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بغیر چارۂ کار اختیار کرنے کے خاموش نہیں رہتی، لیکن اسباب کے استعمال میں نظر اسباب پر نہ ہو مسبب پر ہو تو اسباب میں اثر پیدا کرتا ہے، علاج کا یہ طریقہ استعمال کیا جائے، اس کے تمام اجزاء کو سمجھ کر ان کی پابندی کیجائے، تو رفتہ رفتہ رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، جو راحت کبریٰ ہے، دنیا میں جنت عالیہ ہے،!

استعانت کا چوتھا طریقہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے،

انسان کی زندگی میں غم بھی ہے اور خوشی بھی، رنج بھی ہے اور راحت بھی، ظلمت بھی ہے اور نور بھی، قنوطیہ نے اپنی کوری عقل سے دنیا کے مبدء ہی کو شر قرار دیا، اور بالآخر ہمہ شیطنت (PANDIA BOLISM) کے نظریہ کے حامی بن گئے، ان کے تجربہ میں یہ دنیا بدترین دنیا ثابت ہوئی، سوائے غم و حزن کے کوئی شئی انھیں حقیقی نظر نہ آئی، اس کے برخلاف رجائیہ نے اس دنیا کو بہترین دنیا قرار دیا، غم و الم ان کی رائے میں محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ہیں، تضاد سے لذت کی کیفیت میں اشتداد پیدا کرتے ہیں، حقیقی نہیں اعتباری ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں غم بھی حقیقی ہے، اور خوشی بھی حقیقی، ان میں سے کسی ایک کو التباس قرار دینا خود کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے، حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے، اسکی تصدیق ہر شخص اپنے تجربہ سے ہر روز کر رہا ہے، وہ نہ بلا کو قائم پاتا ہے نہ نعمت کو، ہر دو رسے گزر رہا ہے، خوشی کے احساس کا انکار کر سکتا ہے، نہ غم کے ادراک کا، بلا و نعمت کا پایا جانا ان کا محسوس ہونا ہے، اور یہیں

بارکلےؔ[1] کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، کہ موجود ہونا دراصل محسوس ہونا ہی ہے، (Esse est percipi
To be is to be perceived or perception) بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء جلالی بھی ہیں اور جمالی بھی اور یہ ہر وقت مصروف عمل ہیں، ایک لحظہ کے لیے معطل اور بےکار نہیں، خیر و شر، رنج و راحت، لذت و الم، نعمت و بلا انہی کی تجلیات کا نتیجہ ہیں، اور حقیقی ہیں،

انسان کی یہ فطرت ہو کہ وہ بلا سے نجات چاہتا ہے، اور نعمت میں اضافہ، بصیرت محمدؐ نے دونوں کے لیے عملی طریقے بتلائے ہیں، بلاؤں میں صبر اور نعمتوں میں شکر، قلب انسانی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں، اس کو ایک طرف تو نالہ، فریاد، ماتم، سینہ کوبی، یاس و قنوط سے نجات دیتے ہیں، اور دوسری طرف کبر، عجب، فخر، غرور، تمسخر سے چھڑاتے ہیں ان سلبی و منفی جذبات سے نجات پاکر وہ قوت ہمت اور عمل کا مخزن بن جاتا ہے، اور اس کے لیے کائنات کی تسخیر آسان ہو جاتی ہے، اسکی توانائیاں رائگان نہیں جاتیں صحیح جانب لگ جاتی ہیں اور ایک نقطہ پر مرکوز ہو کر حیرت انگیز نتائج پیدا کرتی ہیں، مصیبت میں صرف اتنی احتیاط ضروری ہے کہ ارادہ بالکل شکستہ نہ ہو جائے ہمت بالکل ٹوٹ نہ جائے، بلا کا بہادری سے مقابلہ کیا جائے تو اس کا بجا ہونا ہی چیز صبر سے حاصل ہوتی ہے، اور نعمت میں خطرہ اس بات کا لگا رہتا ہے، کہ وہ حق تعالیٰ کو بھول نہ جائے، جو تمام حسنات و محامد کا منبع ہیں، اور اس طرح اس منبع سے دور نہ ہو جائے، اور ظلمتوں میں گرفتار نہ ہو جائے شکر سے یہ خطرہ رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نعمت کو حق تعالیٰ کی جانب سے دیکھا جائے، اپنی ذات یا خلق کی طرف اسکی نسبت نہ کیجائے کیونکہ دراصل حق تعالیٰ ہی "ضار" ہیں، اور نافع، نفع و ضرر انہی کے دست قدرت میں ہیں

---

[1] تصوریت کا بانی اٹھارہویں صدی مسیحی کا ایک نہایت ذہین اور تیز فہم فلسفی (۱۶۸۵ء تا ۱۷۵۳ء) مادہ کے وجود ہی سے انکار کیا، کائنات غیر مادی روحانی شئے ہے اور محض نفوس یا ارواح کی جماعت پر مشتمل ہے۔

گو حواس کی نگاہ کو یہی نظر آتا ہے، کہ نعمت خلق ہی کے ہاتھ سے پہونچ رہی ہے، لیکن چشم بصیرت جانتی ہے، کہ یہ محض بمنزلۂ اسباب و آلاتِ نعمت ہین، قاسم، مجری و فاعل و مسببِ حق تعالیٰ ہی ہین، وَمَا بِکُم مِنْ نِعمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ! جب انسان اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھکر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اُسکی نعمتون مین اضافہ کرتے ہین، یہ اُن کا قطعی وعدہ ہے کسی استثنا کی گنجایش نہیں، لئن شکرتم لازیدنکم[ا] اجابت، دعا، رزق و غنا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہی، لیکن شکر کے عوض زیادتی نعمت کا حصول بلا تخلف ہے، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ نزلت الیہ نعمۃٌ فلیشکرھا" جس کسی پر نعمت کا نزول ہو، اسکو چاہیئے، کہ شکر ادا کرے"

سید مرسلان و مرسلِ راز　　داد فرمان بشکرِ نعمت و ناز،
گلِ نعمت برائے سر کہ شگفت　　شکر آن روز و شب بباید گفت

اسی عظیم الشان صداقت کو جس پر نعمتون کا بقا منحصر ہے، افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نفسیاتی طریقہ سے ادا فرمایا ہے،

النعمۃُ وحشیۃٌ قیدّوھا بالشکر،　　نعمت ایک وحشی جانور ہے شکر کی زنجیرون سے اسکو باندھ رکھو،

خاتمِ ملکِ وحی و خاتمِ دین　　شکر فرمود بر نحیف و سمین،
باز نعمت چو ہست وحشی را　　صید از قیدِ شکر کن او را،
چون گذاری تو شکر، نستیزد　　ور شوی ناسپاس بگریزد،

نفسیات کا یہ ایک مسلّمہ قانون ہے، کہ انسان کو جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے لیکن چند روز بعد یہ نعمت اپنی مانوسیت کی وجہ سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے، اب اس مین کوئی

[ا] اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم (نعمتون مین) اضافہ کرتے ہین،

ندرت باقی نہین رہتی، اس کے وجود سے اس کو کوئی خاص فرق اپنی زندگی مین محسوس نہین ہوتا، اور
باوجود ناز و نعم مین گھرے ہونیکے وہ ضیق محسوس کرتا ہے لیکن اگر یہ مفقود ہو جائے، یا ہاتھ سے چھین لیجائے
تو اب اسکو اسکی قدر ہوتی ہے، قدر نعمت بعد زوال اسی صداقت کا اظہار ہے، علاوہ ازین احساس
نعمت کا مفقود ہونا گویا نعمت ہی کا مفقود ہونا ہے، اگر نعمت سے مجھے خوشی نہ ہو، کوفت ہو تعب ہو
تو یہ میرے لئے نعمت نہین زحمت ہے، ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد تمھین معلوم ہوگا کہ ازدیاد نعمت
مین شکر کا کتنا دخل ہے، نعمت کے شعور سے نعمت کا بقا ہے، شعور کا فقدان نعمت کا فقدان ہے،
اسی لئے احساس نعمت کو زندہ رکھنا چاہئے، اور یہی چیز شکر سے حاصل ہوتی ہے، حضرت حسن
بصری شکر کو "جالب" "حافظ" کہتے تھے، کیونکہ وہ موجودہ نعمتون کی "حافظ" اور مفقود نعمتوں کی "جالب"
ہے، شکر سے نعمت سلب و نقصان سے محفوظ ہو جاتی ہے، اور چونکہ شعور مین نعمتون کے ادراک
کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، وہ ان چھوٹی چھوٹی عنایتون کا بھی مشاہدہ کرنے لگتا ہے، جو اس کے
قبل نظر سے پوشیدہ تھین اسلئے ہم کہہ سکتے ہین، کہ شکر سے نعمتون مین قطعی اضافہ ہوتا ہے الشاکر
یستحق المزید (شاکر زیادتی کا مستحق ہے) ایک نفسیاتی صداقت ہے، اسی لئے ہمارے
"اسوۂ حسنہ" کو جب بھی کوئی امر خوشی کا پیش آتا، تو شکر الٰہی کی ادائی کے لئے سجدہ میں گرجاتے

(رواہ احمد)

انسان کی کچھ عجیب فطرت ہے نعمتون کو بہت جلد بھول جاتا ہے، اور مصیبتون کا ہمیشہ
شکوہ کرتا رہتا ہے، کسی عرب شاعر نے اس پر خوب تہدید کی ہے،

یا ایھا الظالم فی فعلہ والظلم مردود علی من ظلم[۱]

---

[۱] اے اپنے فعل مین ظلم کے روا رکھنے والے تجھے معلوم ہے کہ ظلم ظالم پر لوٹ کر آتا ہے، کب تک اور کہاں تک
تو مصیبتون کا شکوہ کرتا رہے گا، اور نعمتون کو بھلاتا جائے گا؟

الیٰ متیٰ وحتّی متی تشکو المصیبات وتنسی النعم

ذرا ہمیں اپنی اُن نعمتوں کو دہرانا چاہیے جن کی طرف ہماری نظر نہیں جاتی، پہلے نعمت نفع کو لیجئے، پھر نعمت دفع کو، دونوں بیشمار ہیں "نعمت نفع" میں آدمی اپنے صحیح وسالم قدوقامت پر نظر کرے صحت وعافیت پر غور کرے، ان لذتوں کا خیال کرے جو کھانے پینے اور جنسی خواہشوں کی تکمیل میں اس کو میسر ہیں، "نعمت دفع" کے سلسلہ میں یہ دیکھے کہ وہ اپاہج نہیں ہزاروں بیماریوں سے محفوظ ہے، دشمنوں اور نالائقوں کے شر سے مامون ہے، صاحب ایمان پھر نعمت کو ایک اور نقطہ نظر سے دیکھ سکتا ہے، اسکو "نعمت توفیق" بھی حاصل ہے "اور نعمت عصمت" بھی، نعمت توفیق یہ کہ اس کو ایمان توحید صدق واستقامت حاصل ہے نعمت عصمت یہ کہ وہ کفر وشرک، نفاق وارتداد، بدعت وفسق وغفلت سے محفوظ رکھا گیا ہے، اگر ان نعمتوں کی وہ تفصیلات میں جائے، ان کی جزاء پر نظر کرے اپنی صلاحیت واستعداد پر غور کرے، یہ دیکھے کہ اس کو ان نعمتوں کا کیا حق ہے، تو بے اختیار ہیچ اُٹھے،

بے لطف تو من قرار نتوانم کرد احسان تو شمار نتوانم کرد،
گر بر تن من زبان شود ہر موئے یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد،

(ابو سعید رحمۃ)

سچ ہے، ان تعدّوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو گن نہ سکو گے) اب ان لاتعداد احسان کا شکر انسان کیسے ادا کر سکتا ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، کہ شکر "ادائے شکر سے اپنے عجز کا جان لینا ہے" ادائے شکر کے ساتھ ہی ایک اور شکر لازم آتا ہے، کیونکہ شکر کی توفیق بھی تو حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے، اور یہ توفیق خود ایک بڑی نعمت ہے، جس کا شکر ضروری ہوا، پھر اس شکر کا شکر وہلمّ جرّا الیٰ نھایۃ اسلئے احسان ومنت باری تعالیٰ کا

مشاہدہ خود شکر ہے، ان کی نعمتوں کا اعتراف خود شکر ہے، ان کے حصول کے بعد مرضیاتِ حق پر قائم رہنے کی دعا خود شکر ہے، ان پر حق تعالیٰ کی ثنا خود شکر ہے!

حق تعالیٰ سے استعانت کے دوسرے طریقے اجمالاً یہ ہیں ہمیں چاہیے کہ گناہوں کے صدور پر توبہ کریں حق تعالیٰ مغفرت سے ہماری استعانت فرماتے ہیں انہ کان للاوابین غفورا وہ رجوع کرنے والے کو معاف کرتے ہیں، کتنا تسکین بخش اور محبت آمیز پیام ہے، انی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ میں معاف کردیتا ہوں اس کو جس نے توبہ کی ایمان لایا، نیک عمل کئے اور پھر اس راستہ پر چلا۔ توبہ و ندامت سے گناہ کی سیاہی قلب سے محو ہوجاتی ہے، گناہوں سے تنفر پیدا ہوجاتا ہے نیکیوں سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور تائب حق تعالیٰ کا محبوب ہوجاتا ہے ان اللہ یحب التوابین،

ہم نے اوپر تفصیل سے دکھایا ہے، کہ قوت واثر اصالۃً صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسلئے ہمارے خوف و رجا کی نسبت صرف حق تعالیٰ ہی سے قائم ہوجاتی ہے اور اس کے قیام کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ہمیں مخلوق سے غنی اور بے نیاز کردیتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ہم اس قاتل جذبہ کے چنگل سے آزاد ہوجاتے ہیں جس نے سنگ پرستوں کی زندگی کو سکون و طمانیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیا ہے یہ خوف کا جذبہ ہے جس نے ان کو سوتے جاگتے ہر وقت پریشان، مضطر اور حواس باختہ کر رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے انہیں ہر کونہ میں ایک دام دکھائی دیتا ہے، اور ہر گوشہ میں ایک درندہ!

اگر ہم اس امر میں حق تعالیٰ سے استعانت چاہیں کہ وہ ہمیں یاد رکھیں، اور ہم سے راضی رہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم حق تعالیٰ کو یاد رکھیں اور ان کے ہر حکم و فعل سے راضی ہوجائیں، فاذکرونی اذکرکم، تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اسی لئے حکم فرمایا کہ اذکروا اللہ ذکرا کثیرا، اور ہمارے

راضی ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضوا عنہ

آنانکہ رضائے حق بجان می جوینید | در راہ رضائے او بسرمی پوینید
ہریک ہمہ آن کنند کہ حق فرماید | حق نیز ہمان کند کہ ایشان گوینید

اوپر جو کچھ ہم نے کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب یا دین مشتمل ہے دو اجزا پر، عبادت و استعانت پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار سے ہمارے قلوب سے غیر اللہ کی معبودیت و ربوبیت فنا ہو جاتی ہے، اس قلب کی عظمت کا کیا کہنا جس سے غیر اللہ کی معبودیت و ربوبیت فنا ہو کر اللہ کی ربوبیت و معبودیت متمکن ہو گئی ہے، جس کے الٰہ قطعاً اللہ ہین یعنی جس کے معبود، جس کے مسجود، جس کے مطلوب، جس کے مقصود قطعاً اللہ ہین جس کے رب، جس کے مستعان قطعاً اللہ ہین، اس قلب مین توحید کا جلوہ ہے، ایمان کا نور ہے، وہ نورانی قلب ہے، حق تعالیٰ کا محبوب ہے، اور حق تعالیٰ اس کے وکیل ہین، کفیل ہین، ولی ہین، مولیٰ ہین، نصیر ہین، حفیظ ہین اور ہادی ہین،

اس ضمن مین چند تعریفات یاد رکھو: جیسا کہ تم نے دیکھا ہے، ذات اللہ ہی کو الٰہ قرار دینا، یعنی معبود و مستعان قرار دینا زبان سے اقرار اور دل سے اسکی تصدیق کرنا، توحید ہے، اس اقرار و تصدیق سے قلب سے شرک کا خروج ہوتا ہے، اور توحید داخل ہو جاتی ہے، جس ذات پاک نے یہ پیام ہم تک پہونچایا، (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسکی رسالت کے اقرار و تصدیق سے دل سے کفر کا خروج ہو جاتا ہے، اور ایمان جلوہ افروز ہوجاتا ہے، ایمان مین دو چیزین ہین، اور توحید مین بھی دو چیزین ہین، ایمان مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی الوہیت کی تصدیق ہے، توحید مین اللہ تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت اور ان کے ماتحت بندہ کی عبادت و استعانت کی تصدیق داخل ہے، اس کا زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا شک "نفاق" ہے، اسکی تصدیق

کے بعد انکار "ارتداد" ہے، یہ مثل شرک کے دین و مذہب کی نفی ہے، بغاوت ہے، اور اسلئے ناقابل معافی! اور بدعت بھی بُری بلا ہے، یہ دین مین کسی نئی بات کا پیدا کرنا ہے، جو دین کی بات نہین اسکو دین سمجھنا ہے، غیر شریعت کو شریعت" بتلانا افترا علی اللہ" اور ایک گونہ ادعاے نبوت" ہے، ابدعتی کو توبہ کم نصیب ہوتی ہے، کیونکہ وہ تو اوس کو مستحسن سمجھ رہا ہے، پھر توبہ کیون کریگا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلّ بدْعۃٍ ضلالۃ وکلُ ضلالۃٍ فی النّار،

قبل ایمان کفر و شرک سے توبہ لازم ہے، پھر ایمان یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار جس سے غیر اللہ کی معبودیت اور ربوبیت فنا ہو کر اللہ کی معبودیت و ربوبیت متمکن ہو جائے، اب نفاق، ارتداد، بدعت، فسق و فجور سے احتراز ایمان اور عمل صالح پر استقامت، یہ ہے دین یا بندگی" جس کے متعلق عارف روم نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر تو خواہی حرّی و دل زندگی　　　بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود بہر بندگی است　　　زندگی بے بندگی شرمندگی است
جز خضوع و بندگی و اضطرار　　　اندرین حضرت ندارد اعتبار
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی　　　کفر باشد پیش او جز بندگی

ذوق باید تا دہد طاعات بر
مغز باید تا دہد دانہ شجر

قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃٍ انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما انا من المشرکین،

(یوسف ع ۱۲)

ضمیمہ

مندرجہ ذیل نقشہ سے دین کے سارے اجزا کی تلخیص پیش نظر ہو جاتی ہے۔

لا الٰہ الا اللہ   محمد رسول اللہ

ذات خلق   ذات اللہ

معبودیت   ربوبیت   معبودیت   ربوبیت

عبادت   استعانت   عبادت   استعانت

نماز روزہ زکوٰۃ حج اتباع اوامر و اجتناب نواہی قربانی نذر و منت وغیرہ   توبہ دعا توکل صبر شکر خوف رجا ذکر رضا